بسم اللہ الرحمن الرحیم

اتر گئے منزلوں کے چہرے امیر کیا؟ کارواں گیا ہے

رئیس المحدثین حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ

یادوں کے نقوش

اختر امام عادل قاسمی

مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور

جامعہ ربانی

منورواشریف سمستی پور بہار الہند

نام کتاب: اتر گئے منزلوں کے چہرے۔۔۔

مصنف: مفتی اختر امام عادل قاسمی مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور، بہار انڈیا

ناشر: جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

صفحات: ۳۲

قیمت:

سن طباعت: رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ / مئی ۲۰۲۰ء

ملنے کے پتے

☆ جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ سوہما، وایا بتھان، ضلع سمستی پور بہار، انڈیا848207، موبائل نمبر:9934082422-9473136822

☆ مکتبہ الامام سی 212، شاہین باغ، ابوالفضل پارٹ 2 اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

Jamia Rabbani Manorwa Sharif ,P.O : Sohma, Via: Bithan, Dist: Samastipur ,Bihar,848207

مندرجات

سلسلہ نمبر	مضامین	صفحات
۱	ایک سوگوار صبح ☆ ہمہ جہت شخصیت	۵
۲	لب ولہجہ اور زبان وبیان	۶
۳	شرف تلمذ اور رابطہ	۷
۴	سہ روزہ عالمی ختم نبوت کانفرنس میں مقالہ پیش کرنے کا قصہ	۸
۵	فقہ میں اختصاص اشتغال بالفقہ سے پیدا ہوتا ہے، رسمی کورس سے نہیں	۹
۶	میری پہلی تالیف "منصب صحابہ" - مفتی صاحب کا انکار اور اطمینان	۱۰
۷	"منصب صحابہ" پر مفتی صاحب کا مبسوط مقدمہ	۱۳
۸	مفتی صاحب "منصب صحابہ" کو شیخ الہند اکیڈمی سے شائع کرانا چاہتے تھے	۱۵
۹	شیخ الہند اکیڈمی کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی ملازمت کا مشورہ	۱۶
۱۰	وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ	۱۷
۱۱	دارالعلوم حیدرآباد میں میری ملازمت کی بات چیت	۱۷
۱۲	علمی رہنمائی	۱۸
۱۳	جامعہ ربانی کا قیام—مشکلات، مشورے اور ہدایات	۱۸
۱۴	"قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز" کو جامع انسائیکلوپیڈیا قرار دیا	۲۱
۱۵	دیار غیر میں درس اور سوال وجواب کی عملی تربیت	۲۳
۱۶	جوہر نایاب	۲۴
۱۷	فقہی سیمیناروں اور اجتماعات میں شرکت	۲۵

سلسلہ نمبر	مضامین	صفحات
	فقہی مسائل میں اتفاق واختلاف-سلامت کی پرواہ کئے بغیر اپنی رائے کا اظہار	۲۵
	آخری ملاقات کا منظر	۲۷
	بلا تنخواہ تدریس اور سابقہ تنخواہوں کی واپسی۔۔۔	۲۷
	ولادت سے وفات تک-بہ یک نظر	۳۱

ایک سوگوار صبح

۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ (۱۹/ مئی ۲۰۲۰ء) کی صبح کیسی سوگوار تھی کہ اس کے آسمان کا سورج ابھی نکلا ہی تھا کہ آسمان علم وفن کا روشن آفتاب غروب ہو گیا، ابھی صبح کلیوں نے کھلنا اور کوئل نے چہکنا شروع کیا تھا کہ گلشن اسلام کا ایک پھول مرجھا گیا، اور باغ علوم نبوت کا ایک بلبل خاموش ہو گیا، یعنی علم وفن کا امام رئیس المحدثین حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس دنیائے فانی کو الوداع کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون،

کئی دنوں سے آپ کی شدید علالت کی تشویشناک خبریں موصول ہو رہی تھیں، ۲۴/ رمضان المبارک کو شام سے ہی حالت زیادہ خراب ہونے کی خبر ملی، ۲۵/ رمضان کی شب کشمکش میں گذری، رات بھر جاگنے کے بعد صبح کے تھکے ہوئے لمحات میں ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ اس حادثۂ جانکاہ کی اطلاع ملی، آخر زندگی بھر کا تھکا ہارا مسافر ابدی نیند سو گیا۔

کڑے سفر کا تھکا مسافر، تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کرلیں، ہر آنکھ لیکن بھگو گیا ہے

ہمہ جہت شخصیت

حضرت مفتی صاحبؒ اس دور میں ایک عبقری شخصیت کے مالک تھے، جن کو ہر علم وفن سے آشنائی تھی، مدارس کے نصاب میں رائج نیچے سے اوپر تک ہر کتاب کی تدریس کی ان کو سعادت حاصل ہوئی تھی، وہ تدریس کا بے پناہ ملکہ رکھتے تھے، کسی فن کی کتاب ہو، پانی کر دیتے تھے، علم کو گھول کر پلانے کا وہ ہنر جانتے تھے، ان کا طریقہ فن میں اتر کر کلام کرنے کا تھا، وہ ہر فن کے مزاج شناس تھے، گفتگو کسی موضوع پر بھی ہو بصیرت وگہرائی میں ڈوبی ہوتی

تھی، خاص طور پر حدیث اور فقہ ان کے ذوق کا حصہ تھے، ان دونوں فنون کے مراجع و مآخذ پر گہری نظر تھی، حدیث و فقہ کے فطری مذاق کا نتیجہ تھا کہ ان کے درس حدیث میں بڑا اعتدال ہوتا تھا، وہ نہ اہل ظاہر کی طرح گفتگو فرماتے تھے، اور نہ فقہی تشقیقات میں غلو کے قائل تھے، آپ کے یہاں روایت و درایت دونوں کا امتزاج تھا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے دارالعلوم دیوبند میں جس طرز تدریس کی بناڈالی تھی ، مفتی صاحب اس دور میں اس کے بہترین نمائندہ تھے، وہ متصلب حنفی تھے، لیکن درس ایسا بصیرت افروز اور مدلل ہوتا تھا کہ مسلک حنفی دل ودماغ کی گہرائیوں میں اتر جاتا تھا، ان کا درس بڑا مقبول اور طرز افہام و تفہیم بہت مؤثر تھا، اسی لئے بلا شدید مجبوری کے کوئی طالب علم ان کے درس سے غیر حاضر نہیں ہوتا تھا۔

فقہ و حدیث کے علاوہ علوم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور معارف حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر بھی آپ کا خصوصی مطالعہ تھا، ان بزرگوں کی کئی کتابوں کی تشریح و تسہیل آپ نے فرمائی۔

لب ولہجہ اور زبان وبیان

درس ہو یا عوامی خطاب ان کا لب ولہجہ ہمیشہ مجلسی ہوتا تھا، تکلفات اور آورد سے بالکل پاک، سیدھا سادہ انداز بیان اور سادہ عام فہم الفاظ، وہ بہ تکلف پر شکوہ الفاظ اور حسین تعبیرات کے درپے نہیں ہوتے تھے، اسی لیے ان کی گفتگو سامعین کے سروں کے اوپر سے نہیں بلکہ دل ودماغ کے اندر کو چھوتی ہوئی گذرتی تھی، خشک سے خشک موضوع کو تروتازہ اور دلچسپ بنا کر پیش کرنے کا جو سلیقہ انہیں حاصل تھا کہ اس دور میں شاید باید۔۔۔ گو کہ ان کی مادری زبان اردو نہیں تھی مگر وہ اہل زبان کی طرح اس پر قدرت رکھتے تھے، اردو

اور عربی دونوں زبانوں پر ان کو یکساں عبور حاصل تھا، مختلف علوم و فنون پر ان کی تصنیفات اس کے لیے شاہد عدل ہیں، نادر موضوعات پر چالیس (۴۰) سے زیادہ تصنیفات آپ نے یادگار چھوڑیں، جو ایک مستقل علمی لائبریری ہے، آئندہ محققین کے لئے وہ مأخذ کا کام کرے گی، ان شاء اللہ۔

شرف تلمذ اور رابطہ

مجھے (۱۴۰۶ھ، ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء میں) آپ سے ہدایہ رابع اور ترمذی وطحاوی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، آپ کی ترمذی وطحاوی کے درسی افادات بھی میں نے قلمبند کئے تھے، جو میرے ذخیرۂ کاغذات میں محفوظ ہیں، دارالعلوم دیوبند کے دوران قیام مجھے یاد نہیں کہ کسی استاذ کے سبق سے میں غیر حاضر ہوا ہوں، لیکن حضرت مفتی صاحب کے درس سے میں بہت متاثر تھا، وہ اس وقت دارالعلوم دیوبند کی درسگاہ کی آبرو تھے، بہت سے علمی مسائل میں لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے، ہمارے دور میں طلبہ کے درمیان وہ سب سے زیادہ مقبول ترین استاذ تھے، بہت بارعب اور باوقار تھے، لیکن اس کے باوجود بڑی محبوبیت کے حامل تھے، طلبہ عصر کے بعد ان کے گھر پر حاضر ہوتے تھے، اس زمانہ میں مفتی صاحب گھر سے دارالعلوم پاپیادہ تشریف لاتے تھے، میرا قیام افریقی منزل قدیم میں تھا، اسی کے پاس سے گذر کر وہ معراج گیٹ سے دارالعلوم تشریف لے جاتے تھے، اس طرح اکثر آمنا سامنا اور ملاقات ہوتی تھی، مگر ہمت کی کمی کے سبب بہت دنوں تک آپ کے در دولت پر حاضری سے محروم رہا۔

سہ روزہ عالمی ختم نبوت کانفرنس میں مقالہ پیش کرنے کا قصہ

پہلی بار مجھے آپ کے گھر پر حاضری کا شرف دارالعلوم دیوبند میں پہلی سہ روزہ عالمی ختم نبوت کانفرنس (۱۹۸۷ء) کے موقعہ پر حاصل ہوا، وہ قصہ بھی بڑا عجیب تھا، میں دارالعلوم دیوبند کا ایک گمنام طالب علم، ایک چھوٹے سے مدرسہ (مدرسہ دینیہ غازی پور یوپی) سے آیا تھا ، حلقۂ احباب میں وہی دو چار طلبہ تھے جو غازی پور سے ساتھ آئے تھے، دارالعلوم کے عظیم اساتذہ کے درباروں تک ہم جیسے معمولی طلبہ کی رسائی نہیں تھی، میری طبیعت کی کم آمیزی اس پر مستزاد، طلبہ سے بھی بہت کم شناشائی تھی ، درسگاہ اور کتب خانہ کے علاوہ کہیں آنا جانا نہیں تھا، دارالعلوم سے باہر کبھی کسی تفریح گاہ، جلسہ، مشاعرہ یا پروگرام میں شریک نہیں ہوا، اپنے ضلعی اور صوبائی انجمنوں میں بھی بہت کم شرکت ہوتی تھی، اسی زمانہ میں دارالعلوم میں ختم نبوت کانفرنس کی مہم شروع ہوئی، جس میں ملک وبیرون ملک سے بڑی علمی ، ملی اور سیاسی شخصیات نے شرکت کی، امام حرم عبداللہ بن سبیل بھی تشریف لائے، اس موقعہ پر دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ نے طے کیا کہ کانفرنس کے پروگراموں میں ایک نشست طلبۂ دارالعلوم کی بھی رکھی جائے، تاکہ دارالعلوم کی نمائندگی اس میں شامل ہو، نشست میں پانچ (۵) طلبہ کے مقالات اور پانچ (۵) طلبہ کی تقاریر پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اور خواہشمند طلبہ کو اس میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی، تاکہ مسابقہ کے بعد بہتر سے بہتر انتخاب عمل میں آسکے ، اس کا اعلان آویزاں ہوتے ہی خوہشمند طلبہ کا اژدحام دیکھنے کو ملا، دارالعلوم دیوبند تو علم کا بحر بے کراں ہے، یہاں ایک پر ایک باصلاحیت طلبہ ہر زمانے میں موجود رہے ہیں، دفتر تعلیمات کے پاس میں نے بھی یہ اعلان دیکھا، میری تمناؤں نے بھی انگڑائی لی، مگر یہ سوچ کر کہ دارالعلوم کے باصلاحیت اور ممتاز طلبہ کے درمیان میرے جیسے ایک معمولی اور گمنام طالب علم کی کیا حیثیت؟ ہمت نہیں ہوتی تھی، لیکن شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے بھی ختم نبوت کے موضوع پر مقالہ نویسی میں حصہ لینے کا عزم کر لیا، پھر وقت مقررہ کے اندر مقالہ تیار

کر کے خاموشی کے ساتھ خریداران یوسف کی آخری صف کے امیدوار کی طرح دفتر میں جمع کرادیا جس کی اطلاع میرے قریب ترین ساتھیوں کو بھی نہ ہو سکی، حقیقت یہ ہے کہ مجھے ایک فی صد بھی امید نہیں تھی کہ میرا مقالہ کسی لائق ہو گا اور اس عظیم الشان کانفرنس کے لئے اس کا انتخاب عمل میں آئے گا، اس مسابقہ میں کتنے طلبہ نے حصہ لیا یہ تو معلوم نہ ہو سکا لیکن میری خوش بختی کہ پانچ منتخب مقالات میں ایک میرا مقالہ بھی شامل تھا۔

گاہ باشد کہ کودکے ناداں ‏ ‏ ‏ ‏ بہ غلط بر ہدف زند تیرے

دفتر کا چپراسی ڈھونڈتا ہوا میرے کمرے پر آیا اور تحریری حکم سنایا کہ اپنا مقالہ لے کر حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری کے گھر پر حاضر ہو، اس طرح پہلی مرتبہ مجھے حضرت مفتی صاحب کے در دولت پر حاضری کی سعادت میسر ہوئی، مفتی صاحب نے کچھ ضروری ہدایات دیں، اور رخصت کر دیا، یہ پہلا موقعہ تھا جب میرا رابطہ حضرت مفتی صاحب کے ساتھ اتنے قریب سے ہوا۔۔۔۔۔

بہر حال عظیم الشان سہ روزہ کانفرنس ہوئی اور اس کی ایک نشست میں جس میں ملک و بیرون ملک کے اعیان و علماء تشریف فرما تھے، اس حقیر کو بھی اپنا مقالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

فقہ میں اختصاص اشتغال بالفقہ سے پیدا ہوتا ہے، رسمی کورس سے نہیں

☆اس کے بعد مفتی صاحب سے میری مناسبت بڑھتی گئی، اور وہ بھی شفقت فرمانے لگے، دورۂ حدیث میں مجھے امتیازی نمبرات حاصل ہوئے، تو نظر عنایت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا، مگر افتاء کے سال میں اپنے اسباق اور کاموں میں ایسا مصروف رہا کہ مفتی صاحب کے یہاں بہت کم آمد و رفت رہی، مفتی صاحب کے پاس ہمارا کوئی گھنٹہ نہیں تھا، افتاء سے فارغ

ہونے کے بعد فقہ میں مزید اختصاص کے لئے میں تدریب افتاء میں جانا چاہتا تھا، جس کو وہاں معین المفتی کہتے تھے، ایک دن دفتر اہتمام میں مجھے طلب کیا گیا، میں حاضر ہوا تو وہاں اس وقت حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند ،اوراستاذ الاساتذہ حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ ،اور حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحبؒ کے علاوہ پوری مجلس تعلیمی موجود تھی ،اس میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب بھی تھے، ان بزرگوں نے میرا نام دارالعلوم میں معین المدرس کے لئے تجویز فرمایا تھا، میں نے تدریب افتا کی خواہش ظاہر کی، تو مفتی سعید صاحبؒ نے فرمایا کہ:

"تدریب افتا کا مقصد اختصاص فی الفقہ ہے اور یہ رسمی کورس سے نہیں بلکہ مسلسل اشتغال بالفقہ سے حاصل ہوگا"

مفتی صاحبؒ کے اس ارشاد کے بعد میں نے اپنی خواہش واپس لے لی، اور بزرگوں کے فیصلہ کو قبول کرلیا، مفتی صاحب کا یہ جملہ فقہ کے ابواب میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، یہ ان کی زندگی بھر کے تجربات ومشاہدات کا حاصل تھا، اس واقعہ (۱۹۸۸ء) کو قریب بتیس سال ہونے جارہے ہیں، مفتی صاحب کے اس جملہ کی صداقت ہر دن مشاہدہ میں ہے، اختصاص تو شاید مجھے حاصل نہ ہوسکا لیکن میرے اشتغال بالفقہ کا سفر آج تک موقوف نہیں ہوا، مفتی صاحب کے اس ایک جملہ نے میری زندگی کی ترتیب بدل ڈالی۔

میری پہلی تالیف "منصب صحابہ" - مفتی صاحب کا انکار اور اطمینان

حضرت مفتی صاحب سے وابستہ ایک اور یادگار واقعہ جو میری تصنیفی و تحقیقی زندگی میں سنگ میل کا درجہ رکھتا ہے، ۱۹۸۹ء کا ہے، جب میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر وہاں معین المدرس تھا، میں نے افتا پڑھنے کے زمانے میں اپنی پہلی تالیف "منصب صحابہ" مرتب کی

،میرٹھ میں فرق باطلہ کے بعض افراد سے میری علمی مڈبھیڑ نے اس کتاب کا مواد تیار کیا، جس کی بنیادی فکر حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک مضمون سے لی گئی ہے جو (غالباً ۱۹۵۸ء میں) رسالہ دارالعلوم میں کئی قسطوں میں شائع ہوا تھا، اوراس مضمون کی طرف رہنمائی استاذ مکرم بحر العلوم حضرت مولاناوعلامہ محمد نعمت اللہ اعظمی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند سے ملی تھی ، معین المدرسی کے زمانے میں اس کتاب کی اشاعت کے بعض اسباب پیدا ہوئے، تواس پر تقریظ کے لئے میں نے اپنے اساتذہ سے رجوع کیا، اسی ضمن میں میں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے آستانہ پر حاضری دی اور تقریظ کی خواہش کا اظہار کیا، اتفاق سے وہ سال کا آخری حصہ تھا، اوران دنوں اسباق کے علاوہ بہت سے اسفاراور پروگراموں کا بھی ان پر بوجھ تھا، لیکن حضرت مفتی صاحب نے ازراہ شفقت میری خواہش کو قبول فرمایا، آپ اس وقت بھی کسی پروگرام کے لئے ہی پابہ رکاب تھے، فرمایاکہ کتاب کا مسودہ دے دو، میں سفر میں اس پر ایک نظرڈالوں گا، دودن کے بعد آکر ملاقات کرو، دودن کے بعد حسب الحکم جب حاضر ہواتو مجھے دیکھتے ہی فرمایاکہ میں نے تمہارے مسودہ کا ابتدائی حصہ دیکھاہے، مگر مجھے اس کی بنیاد سے ہی اتفاق نہیں ہے، اس لئے کہ اگر تمہاری بات مان لی جائے تو علماء دیوبند کی پچاس سالہ خدمات پر پانی پھر جائے گا۔۔۔

میں نے کتاب میں صحابہ کے معیار حق ہونے کی تشریح لکھی تھی، اوراس کو مذاہب اربعہ کی روشنی میں مدلل کیا تھا، پوری کتاب میں کہیں بھی اکابر دیوبند میں سے کسی بزرگ کا نام یاان کی کسی عبارت کا اقتباس نقل نہیں کیا گیا تھا، اورنہ فریق مخالف میں سے کسی کا نام یاان کی کسی عبارت کا اقتباس شامل کیا گیا تھا، مسئلہ کو خالص مثبت ، علمی اور غیر جانبدارانداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی، تاکہ لوگ اس مسئلہ کو مناظرہ اور مقابلہ کی عینک نکال کر خالص علم وتحقیق کی روشنی میں دیکھیں۔۔۔اس موضوع پراس انداز میں غالباًاس سے پہلے کوئی

کتاب منظر عام پر نہیں آئی تھی، مفتی صاحب کو شاید یہ نیا انداز مطالعہ پسند نہیں آیا۔۔۔

حضرت مفتی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں ایک بلند حیثیت عرفی کے مالک تھے ،میرے استاذ تھے ،میں ان پر اعتماد کرتا تھا،اس لئے ان کے اس ارشاد سے تھوڑی دیر کے لئے مجھے لگا کہ جیسے میرے پاؤں تلے زمین نکل گئی ہو، گو کہ میری تحقیق کی بنیاد علماء متقدمین کی عبارتوں پر تھی، جس کی پشت پر خود ترجمان مسلک دیوبند حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی تفکیر و تشریح موجود تھی، لیکن مفتی صاحب کا مطمئن ہونا بھی میرے حق میں ضروری تھا۔۔۔میں نے نہایت ادب واحترام سے عرض کیا کہ علماء دیوبند کی کس کتاب میں معیار حق کی تشریح کی گئی ہے؟جو میری یہ تشریح اس سے متناقض ہے، کتابوں میں معیار حق کی صرف اصطلاح استعمال کی گئی ہے،اوراس کا مفہوم ذہنی اب تک ہماری کسی کتاب میں صفحۂ قرطاس پر منتقل نہیں ہوا،جب کہ معیار حق کے اثبات سے قبل اس اصطلاح کی توضیح و تشریح ضروری ہے،اگر حضرت والا کے علم میں کوئی کتاب ہو تو رہنمائی فرمائیں ۔۔۔میری معروضات کو حضرت مفتی صاحبؒ نے بہت توجہ کے ساتھ سنا،اور تھوڑے تأمل کے بعد کل آنے کے لئے ارشاد فرمایا، ابھی وہ کسی سفر سے آئے تھے ،اور آرام کرنا چاہتے تھے ،میں بہت مایوسی کے ساتھ اپنی قیامگاہ پر واپس آیا،اور تھوڑی دیر کے بعد دارالعلوم کے کتب خانہ کا رخ کیا، تاکہ اس مسئلہ پر مزید مطالعہ و تحقیق کرسکوں،پورے چوبیس گھنٹے میرے نہایت بے قراری میں گذرے، مفتی صاحب نے مجھے دوسرے دن عشاء کے بعد کا وقت دیا تھا جب وہ کھانا تناول فرماتے تھے،میں نے اس تعلق سے جو ممکنہ اعتراضات تھے،ان کو سامنے رکھ کر مختلف عبارتیں ایک الگ کاغذ پر جمع کی تھیں ،اگلے دن میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت دسترخوان پر بیٹھ چکے تھے،اور بہت خوشگوار موڈ میں تھے میں نے گذشتہ روز کی گفتگو کے تناظر میں کچھ وضاحتی گفتگو پیش کرنی چاہی، حضرت مفتی صاحبؒ نے مجھے روکتے ہوئے فرمایا کہ

اپنی اصل کتاب سنانا شروع کرو، میں نے کتاب شروع کر دی، مفتی صاحب نے کوئی اعتراض نہیں کیا بس خاموشی کے ساتھ متوجہ رہے، مفتی صاحب کا کھانا ختم ہوا، تو فرمایا کہ بس، اب اگلا حصہ کل اسی وقت، اس طرح میں نے پوری کتاب کی خواندگی حضرت مفتی صاحب کے کھانے کے وقت قریب دس دنوں میں مکمل کی، اور اس اثناء مفتی صاحب نے ایک آدھ جگہ جزوی مشورہ کے علاوہ کوئی کلام نہیں فرمایا، خواندگی مکمل ہونے کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں اس پر تقریظ نہیں مقدمہ لکھوں گا، چنانچہ آپ نے اس پر قریب بارہ(۱۲) صفحات کا وقیع مقدمہ تحریر فرمایا، جس میں کتاب پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا، اور حقیر مؤلف کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

"منصب صحابہ" پر مفتی صاحب کا مبسوط مقدمہ

بطور نمونہ مقدمہ کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"الغرض یہ ایک مناقشاتی موضوع بن گیا ہے، ضرورت تھی کہ اس مسئلہ پر ردو قدح سے علیحدہ ہو کر مثبت انداز میں کوئی مختصر کتاب لکھی جائے، تا کہ کھلے ذہن کے لوگ اس کا مطالعہ کریں، اور ٹھنڈے دل و دماغ سے اس مسئلہ پر غور کریں۔

مجھے خوشی ہے کہ ہمارے دار العلوم دیوبند کے ہونہار فاضل جناب مولانا اختر امام عادل سمستی پوری جو فی الحال دار العلوم دیوبند میں تدریس کی مشق کر رہے ہیں، اور معین المدرسین کی حیثیت سے پڑھا رہے ہیں، انہوں نے ایسی کتاب لکھی ہے جس کی عرصہ سے خواہش تھی، میں آج کل ایک عارضی بیماری میں مبتلا ہوں جس کی وجہ سے میں اسے بنظر غائر تو نہ دیکھ سکا ہوں، مگر میں نے پوری

کتاب سنی ہے، اور میں پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب میں جس طرح اس مسئلہ کی تحلیل کی گئی ہے، اور جس دلچسپ انداز میں دلائل قاری کے ذہن نشیں کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان شاء اللہ یہ کتاب غیر مطمئن ذہنوں کے لئے بھی باعث تشفی ہو گی، اور عام مسلمانوں کے لئے بھی زیادتی ایمان اور صحابہ کرام کی قدر شناسی کا ذریعہ ثابت ہو گی "[1]

پھر حضرت مفتی صاحب ہی نے مجھے مشورہ دیا کہ ہمارے یہاں زبان وادب کے نقطۂ نظر سے حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ کی شخصیت بہت اہم ہے، یہ مسودہ ایک نظر ان کو بھی دکھلا دو، دوسرے دن عصر کے بعد حضرت مولانا ریاست علی بجنوری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا یہ مسودہ برائے تقریظ ان کی خدمت میں بھی پیش کیا، حضرت الاستاذ مولانا بجنوریؒ نے بھی نہایت محبت کے ساتھ تقریظ لکھی، حضرت بجنوریؒ کی تقریظ کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

"الحمد اللہ کہ اکابر دیوبند اور علماء دیوبند کے بروقت تنبہ اور تعاقب سے امت اس بڑے فتنہ سے آگاہ ہوئی اور اس کا زور بھی کم ہوا، اب دار العلوم دیوبند کے معین المدرسین عزیزم مولانا اختر امام عادل سلمہ اللہ نے ایک مفصل تحریر مرتب کی ہے۔۔۔۔۔۔ عزیزم کا یہ مفصل مضمون ایک ضرورت کی تکمیل اور مسلک دیوبند کے ایک مخصوص مسئلہ کی قابل اعتماد تشریح ہے "[2]

اس کتاب پر حضرت الاستاذ علامہ محمد حسین بہاریؒ اور حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمد

---

[1]۔ منصب صحابہ ص ۲۵، ۲۶ مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی، ۱۴۰۹ھ

[2]۔ منصب صحابہ ص ۹، ۱۰

ظفیر الدین مفتاحیؒ کی تقریظات بھی ہیں، تفصیل کے لئے اہل ذوق کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں، کتاب انٹرنیٹ پر موجود ہے۔

اس تفصیل سے حضرت مفتی صاحب کی وسعت نظری اور خورد نوازی کا اندازہ ہوتا ہے، اور کس طرح وہ کھلے ذہن و دماغ کے ساتھ مسائل کا مطالعہ کرتے تھے، اور اگر کوئی بات سمجھ میں آجاتی تو قبول کر لینے میں بھی کوئی دریغ نہیں ہوتا تھا، اس کا بھی پتہ چلتا ہے۔

مفتی صاحب "منصب صحابہ" کو شیخ الہند اکیڈمی سے شائع کرانا چاہتے تھے

اس کتاب کی اشاعت کا ایک زریں پہلو یہ بھی ہے کہ مفتی صاحب نے کتاب اور موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہ خیال ظاہر فرمایا کہ یہ کتاب دارالعلوم دیوبند کی شیخ الہند اکیڈمی سے شائع ہو تو اس کی استنادیت میں اضافہ ہوگا اور دارالعلوم کی علمی وفکری نمائندگی بھی ہوگی 'اور غالباً حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ کے پاس مجھے بھیجنے کا مقصد یہی تھا، حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ ان دنوں دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات بھی تھے ، اور شیخ الہند اکیڈمی کے ڈائریکٹر بھی، حضرت مفتی صاحب کی یہ تجویز ان کی عالی ظرفی، وسیع القلبی اور چھوٹوں کو آگے بڑھانے کی شاندار مثال ہے، حضرت مولانا بجنوریؒ نے بھی اس تجویز کو قبول کر لیا تھا، اور ظاہر ہے کہ میرے لئے اس سے بڑی خوش نصیبی کیا ہو سکتی تھی، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ میری ایک معمولی تحریر کو اتنی اہمیت دیں گے

لیکن سوء اتفاق جس ناشر نے طباعت کی تیاری کی تھی، اور کتابت وغیرہ کے سارے مراحل مکمل کئے تھے، میں نے جب اس کے سامنے یہ تجویز رکھی تو وہ اس کتاب سے دستبردار ہونے پر راضی نہ ہوا، بلکہ یکگونہ فتنہ کی شکل پیدا کر دی، اور اتنی عجلت کا مظاہرہ کیا کہ اس نے خریداری کی بکنگ کے لئے ایک پوسٹر شائع کر دیا، اور کتاب کے منظر عام پر آنے سے

قبل ہی کتاب کی بڑی تعداد بک ہوگئی ۔۔۔۔۔ حضرت مفتی صاحبؒ مجھ پر اعتماد کرتے تھے ،اور میرا بھلاچاہتے تھے اس لئے پر امید تھے کہ میں ان کی تجویز کوہر صورت میں قبول کروں گا،انہوں نے دارالعلوم کی دیواروں پر یہ پوسٹر دیکھے توان کو صدمہ پہونچا،پھر میں حاضر بارگاہ ہواتو بے حد رنج کااظہار فرمایااور کہاکہ تم نے ایک سنہراموقع کھودیا۔۔۔

شیخ الہنداکیڈمی کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی ملازمت کامشورہ

اس کتاب کی بناپر حضرت کو مجھ سے حسن تعلق اور حسن ظن اس قدر بڑھ گیاتھا کہ جب میری معین المدرسی کی مدت اختتام پذیر ہونے لگی (شعبان سے قریب ایک ماہ پیشتر)تو مجھ سے فرمایاکہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہنداکیڈمی کوایک اسسٹنٹ ڈایریکٹر کی ضرورت ہے جواس کے علمی اور قلمی کاموں میں معاونت کرے،ابھی اسی ہفتہ شوریٰ کی میٹنگ ہونے والی ہے،تم اس کے لئے ایک درخواست دے دو،میں نے عرض کیاکہ کیاقلمی خدمات کے ساتھ مجھے تدریسی خدمات کابھی موقعہ مل سکے گا؟مفتی صاحب نے فرمایاکہ نہیں،یہ قلمی کام کاعہدہ ہے،میں نے عرض کیاکہ آپ نے ہی ہمیں نصیحت کی ہے کہ فراغت کے بعد کم ازکم دس سال تک تدریسی خدمت کرناضروری ہے،اس کے بغیر علم میں پختگی نہیں آتی،مفتی صاحب نے فرمایا،درست ہے،ایساکروکہ جزوی تدریس کی شرط کے ساتھ درخواست دے دو،شاید قبول کرلیں۔۔۔بہرحال میں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے حکم پر درخواست دی ،مگرشاید وہ قبول نہ ہوسکی،کہ ایک شخص دوشعبوں میں کام نہیں کرسکتاتھا۔۔۔دیوبند سے رخصت ہوتے وقت مفتی صاحب سے الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہواتومفتی صاحب نے تسلی دی اور فرمایاکہ " امید ہے کہ اللہ پاک اس سے بہتر صورت میں تمہیں دیوبندواپس لائیں گے "

وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

دیوبند سے نکل جانے کے بعد بھی مفتی صاحب سے میں مسلسل مربوط رہا اس لئے کہ میرا ایقان تھا کہ "وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ" میں نے ہمیشہ اپنے بزرگوں کی جوتیوں میں رہنا اپنے لئے باعث فخر سمجھا۔

دارالعلوم حیدرآباد میں میری ملازمت کی بات چیت

دیوبند سے میں سیدھے مدرسہ سراج العلوم سیوان (بہار) آگیا تھا، یہاں عربی ششم تک تعلیم تھی، افتا کی ذمہ داری اور جمعہ کی خطابت بھی مجھے دی گئی تھی، لیکن یہاں کے ماحول میں بڑی گھٹن تھی، میں نے مفتی صاحب کو خط لکھا تو انہوں نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی میرے لئے دارالعلوم حیدرآباد والوں سے بات کرلی، ایک زمانہ میں دارالعلوم حیدرآباد کے ذمہ داران ہر کام میں مفتی صاحب سے مشورہ کرتے تھے، اور مفتی صاحب کی رائے فیصلہ کن قرار پاتی تھی، اختتام سال پر میں دیوبند حاضر ہوا تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ دارالعلوم حیدرآباد کے لوگ آئے تھے، ان کو ایک صاحب قلم مفتی کی ضرورت تھی، میں نے تمہارے لئے بات کرلی ہے، رمضان کے بعد سیدھے دیوبند آجاؤ، ان کا ایک وفد آئے گا ان کے ساتھ چلے جانا[3]۔

علمی رہنمائی

حیدرآباد سے بھی مسلسل میرا رابطہ آپ سے قائم رہا، بعض علمی مشورے بھی آپ

---

[3]۔اس سے آگے کی تفصیل میں نے حضرت مولانا حمید الدین عاقل حسامی صاحبؒ کے تذکرہ میں تحریر کی ہے۔

سے لیتا تھا، ایک بار مجھے فقہی مصطلحات کے لئے انگریزی لغت کی ضرورت تھی، تو آپ نے ہی معجم لغۃ الفقہاء (مرتبہ :ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی وڈاکٹر حامد صادق قنیبی، مطبوعہ دارالنفائس بیروت، ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) کی طرف میری رہنمائی فرمائی، اس کتاب سے میں نے اسلامی قانون کے تقابلی مطالعہ کے موقعہ پر کافی استفادہ کیا، حضرت مفتی صاحبؒ کو انگریزی زبان کا بھی بہتر مذاق تھا۔ اللہ پاک ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے آمین۔

جامعہ ربانی کا قیام—مشکلات، مشورے اور ہدایات

حیدرآباد کے زمانۂ قیام میں بعض محرکات کے تحت جب میں نے اپنے وطن سمستی پور میں ایک دینی مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا، تو اس موقعہ پر بھی میں نے مفتی صاحب کو پل پل سے باخبر کھا، اور آپ سے ضروری مشورے اور ہدایات کا طالب رہا، چنانچہ ابتدا میں جب میں نے (۱۹۹۶ء میں) مدرسہ کا پلان بنایا، تو وہ بڑا پلان تھا، مفتی صاحب نے اس پر نکیر کی، اور بالآخر وہ پلان بعض سازشوں کے تحت سولہ (۱۶) ماہ کے بعد فیل ہو گیا (جس کی ایک تلخ تاریخ ہے جو ان شاء اللہ کبھی زیر تحریر آئے گی) اس کی اطلاع میں نے حضرت مفتی صاحب کو دی تو آپ نے مجھے تسلی دی، حوصلہ بڑھایا اور تحریر فرمایا:

"برادر مکرم و محترم جناب مولانا اختر امام عادل صاحب زید فضلہ وعلمہ

سلام مسنون

آپ کا خط ملا، جملہ احوال کا علم ہوا، غور کرنے کے بعد آپ کے لئے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی متبادل ادارہ قائم کریں، اور اپنے علمی مشاغل بھی جاری رکھیں، مگر ادارہ قائم کرنے کی صورت میں زمام کار بدست خود رکھیں،

ورنہ پھر وہی حشر ہوگا جو ہو چکا[4]۔

بحمدہ تعالیٰ آپ پر مصارف کا کوئی خاص بوجھ نہیں ہے، اس لئے آزادرہ کر کام انجام دے سکتے ہیں، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت عطا فرمائیں۔ ابھی آپ ناتجربہ کار ہیں، حوادث سے نہ گھبرائیں، کسی بھی اہم مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کٹھنائیوں سے گذرنا پڑتا ہے، تب جاکر منزل ملتی ہے، اور ملازمت تو ملازمت ہے، اس میں جورو بنناہی پڑتا ہے، اور زمانہ کی ناموافقت کا شکوہ ہمیشہ بڑے لوگ کرتے رہے ہیں[5]، کشتی موجوں سے ٹکرا کر ہی ساحل مراد پر پہونچتی ہے۔

یہاں کے احوال بحمدہ تعالیٰ اچھے ہیں، دعوات صالحہ میں یاد رکھیں، بندہ بھی دعا گو ہے۔

والسلام

سعید احمد پالنپوری

۲۰/ ۴/ ۱۹ھ

مفتی صاحب نے یہ خط مجھے ۲۰/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۳/ اگست ۱۹۹۸ء کو

---

[4]-پہلے میں نے جب مدرسہ قائم کیا تھا تو اس کے اہتمام وانتظام کی پوری ذمہ داری مقامی طور پر ایک عالم کے حوالے کر دی تھی، اور خود برائے نام مہتمم تھا، اور دار العلوم حیدرآباد کی تدریسی خدمات میں مصروف رہا، ادھر ان صاحب نے چند شر پسندوں کے ساتھ مل کر مدرسہ کو برباد کر دیا۔۔۔ اس مکتوب میں اسی جانب اشارہ ہے۔

[5]-میں کئی علمی کام کرنا چاہتا تھا، مگر ملازمت کی وجہ سے رکاوٹیں پیش آتی تھیں، اور ہاتھ پاؤں باندھ کر صرف مفوضہ کام لئے جاتے تھے، حضرت مفتی صاحب نے اسی جانب اشارہ فرمایا ہے، مفتی صاحب کا بھی یہی خیال تھا کہ ملازمت کرتے ہوئے آپ کوئی بڑا علمی کام نہیں کر سکتے اور نہ اس کو پذیرائی مل سکتی ہے۔

تحریر فرمایا، اور بھی کئی اکابر کو میں نے خط لکھا تھا، اور سب نے ہی تقریباً یہی بات لکھی، بالآخر اس خط کی تاریخ تحریر سے دوماہ کے اندر ۸ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۹۸ء کو شہر سے دور منورواشریف میں نہایت سادگی کے ساتھ جامعہ ربانی کا افتتاح عمل میں آیا، اور اس کی اطلاع بھی حضرت مفتی صاحب کو دی گئی، تو آپ نے اظہار مسرت فرمایا، اور یہ خط تحریر کیا:

" برادر مکرم و محترم زید لطفہ سلام مسنون

آپ کا دو (۲) رجب کا مکتوب ہم دست ہوا، جامعہ ربانی کے افتتاح سے بہت مسرت ہوئی، ان الرقیٰ فی البدایۃ المتواضعۃ معمولی آغاز ہی میں کامیابی کا راز مضمر ہے، پہلے جو آپ نے ماسٹر پلان بنایا تھا وہ ایک سنہرا خواب تھا اور اس کا انجام آپ دیکھ چکے، وہ طریقہ صحیح نہیں تھا، جیسا کہ میں نے اس وقت آپ کو لکھا تھا، اور غالباً وہ میرا لکھنا آپ کو ناگوار بھی ہوا تھا، مگر حقائق بہر حال حقائق ہوتے ہیں، اور امانی کبھی بھی حصول مقصد کا ذریعہ نہیں بنتے۔

اب آپ اس نونہال کی آبیاری کریں، ان شاء اللہ بہت جلد یہ مبارک درخت ثمر بار ہو گا۔۔۔۔۔ رہے علاقہ کے احوال جو آپ نے لکھے ہیں، وہ کوئی قابل تعجب اور لائق حیرت نہیں ہیں، اگر لوگوں کے یہ احوال نہ ہوں، تو ماضی میں انبیاء کرام کیوں مبعوث کئے جاتے، اور حال میں اور مستقبل میں وارثین انبیاء کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے۔

آپ کے علمی کاموں میں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں، ہم ناکاروں کے لئے دعا فرمائیں کہ کچھ کر سکوں، والد ماجد سے سلام مسنون کہیں، اور مدرسہ کی طرف پوری توجہ رکھیں، پچھلے ادارہ جیسا حال نہ کر دیں، رہا کبھی

کسی مناسب وقت میں علاقہ کا دورہ ہوا تو ان شاء اللہ اس سے دریغ نہ ہو گا۔

والسلام

سعید احمد پالنپوری

۱۵/ رجب ۱۴۱۹ھ

میری تالیف "قوانین عالم میں اسلامی۔۔" کو جامع انسائیکلوپیڈیا قرار دیا

جامعہ ربانی کے قیام کے بعد میری کئی کتابیں منظر عام پر آئیں، لیکن جب میری دستاویزی کتاب "قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز" تیار ہوئی، تو میں نے یہ کتاب حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کی، مفتی صاحب اس کتاب کو پڑھ کر بے حد مسرور ہوئے، اور اس پر درج ذیل تحریر بطور تقریظ و تعارف کے رقم فرمائی:

"(بعد حمد و صلوٰۃ) جناب مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی زید مجدہم کی مایہ ناز کتاب "قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز" پیش نظر ہے، دور حاضر میں اسلامی قانون اور اسلامی تمدن کو جس چیلنج کا سامنا ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، اس سے لوہا لینے کے لئے ہمیں بڑی تیاری کرنی ہے، مدارس اسلامیہ کے عام طلبہ اور شعبۂ افتاء کے مخصوص طلبہ کو اسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ کرانا ضروری ہے، اس سلسلہ میں مراجع کی کمی تھی، عربی میں تو خیر کافی مواد موجود تھا، مگر اردو میں نہ کے برابر ہے، اب بفضلہ تعالیٰ یہ مفصل کتاب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو رہی ہے۔ یہ قیمتی کتاب پانچ (۵) بابوں پر مشتمل ہے۔

☆ پہلے باب میں اسلامی قانون کا تعارف، خصوصیات و امتیازات، تدریجی

ارتقاء، مختلف ادوار اور ان کی خصوصیات کا بیان ہے، اور آج تک ہونے والی متعدد فقہی مساعی پر روشنی ڈالی گئی ہے، نیز اسلام کے بین الاقوامی قوانین کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆دوسرے باب میں مصنف نے اسلامی فقہ کے خلاف پیدا کی گئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے، اور دنیا کے دیگر قوانین نے جو اسلامی قانون سے خوشہ چینی کی ہے، اس پر روشنی ڈالی ہے، اور مثالوں سے یہ بات واضح کی ہے۔

☆تیسرے باب میں دنیا کے مشہور غیر مسلم ملکوں کے قوانین کا تعارف کرایا گیا ہے اور ان کی خصوصیات سے بحث کی گئی ہے، اور اسلامی قانون کی بہ نسبت وہ کتنے ناقص ہیں اس پر نظر ڈالی گئی ہے۔

☆چوتھے باب میں قانون اسلامی پر لکھی گئی بنیادی کتابوں کا تذکرہ ہے، اس باب میں تقریباً پچیس سو (۲۵۰۰) فقہی مآخذ کا ذکر آ گیا ہے۔

☆پانچویں باب میں فقہی اصطلاحات کی فرہنگ ہے جس کی ضرورت عالمی قوانین کے مطالعہ کے وقت پیش آتی ہے، اس باب میں تقریباً ایک ہزار (۱۰۰۰) فقہی اصطلاحات کا عظیم ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔

اس طرح یہ ایک جامع انسائیکلوپیڈیا بن گیا ہے، اور یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کتاب اس موضوع پر حرف آخر ہے، لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اس موضوع پر لکھی جانی والی کتابوں میں یہ کتاب سب سے زیادہ مبسوط اور جامع ہے۔

دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائیں اور اس کا فیض عام و تام فرمائیں، اور امت کی صلاح و فلاح اور بلند پرواز مصنف کے رفع درجات کا ذریعہ بنائیں (آمین)

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالنپوری

۲۱/ صفر ۱۴۲۶ھ خادم دارالعلوم دیوبند

دیارِ غیر میں درس اور سوال وجواب کی عملی تربیت

اس طرح حضرت مفتی صاحب سے میرے استفادہ کا سلسلہ زمانۂ مابعد تک جاری رہا، میں چھوٹی سی چھوٹی سے چیز میں بھی اپنے اساتذہ کی رہنمائی کا طلبگار رہتا تھا ۔۔۔ اس ضمن میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ ۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء میں رمضان المبارک کے موقعہ پر میرا برطانیہ کا سفر ہوا، اور "مسجد الرحمن بولٹن" میں رمضان کے آخری عشرہ میں میرے درس قرآن کا پروگرام طے ہوا، اس سے پہلے عشرے میں حضرت مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری سابق استاذ دارالعلوم دیوبند اسی مسجد میں درس پر فائز تھے، یہ بیرون ملک کسی باقاعدہ درس کا میرا پہلا تجربہ تھا، مجھے معلوم ہوا کہ لندن میں اسٹام فورڈ کی مسجد قبا میں حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ تشریف لائے ہوئے ہیں، اور عید تک یہیں قیام فرمائیں گے ، میں نے اس ارادے سے کہ حضرت کے طریق کار سے رہنمائی حاصل کروں سیدھے لندن پہونچا، حضرت مسجد ہی کے ایک حجرہ میں آرام فرما رہے تھے، ان کو معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے، اپنے میزبان سے میرے کھانے پینے کے انتظام کا حکم فرمایا، لیکن میرا قیام اسی محلہ میں محترم جناب یوسف بھائی پٹیل کے یہاں تھا، وہ بھی میرے ساتھ تھے، میں نے معذرت کی، دو تین دنوں تک میں آپ کے درس اور سوال وجواب کی مجالس میں شریک رہا، پہلے دن از راہ ادب میں نے پیچھے بیٹھنے کی کوشش کی، تو حضرت نے حکم دے کر مجھے آگے بلایا اور اپنے بازو میں بٹھایا، اور لوگوں سے دو چار تعارفی کلمات بھی ارشاد فرمائے، بعض سوالات کے جوابات بھی دینے کو کہا ۔۔۔ اس طرح ایک اجنبی ملک میں درس اور سوال وجواب کی عملی تربیت میں

نے حضرت مفتی صاحبؒ سے حاصل کی۔

یہ واقعہ اگرچیکہ بہت چھوٹا ہے لیکن میرے لئے بہت اہم ہے، میں برطانیہ میں رہنے والے مسلمانوں کی نفسیات اوران کے مسائل اور تقاضوں سے واقف نہیں تھا، ان کو کیسے مطمئن کیاجائے، کون سی بات ان کے سامنے رکھنی چاہئے اور کون سی نہیں، اس کے لئے بھی بصیرت کی ضرورت ہے، مفتی صاحبؒ وہاں ایک عرصہ سے تشریف لے جارہے تھے، اوران کی نفسیات اور ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اس لئے میرے لئے ان کا طرز عمل دلیل راہ بنااور میں نے بولٹن (برطانیہ) کے دروس میں اس سے کافی استفادہ کیا۔

جوہر نایاب

یہ تمام واقعات حضرت مفتی صاحب کی وسعت قلبی، خرد نوازی، حسن تربیت، اور افراد سازی کی بے نظیر صلاحیت کے مظہر ہیں، آج جب لوگوں کے پاس ان چیزوں کے لئے وقت نہیں ہے، اور بڑے لوگوں کے اندر چھوٹوں کو آگے بڑھانے کا جذبہ کم سے کمتر ہوتا جارہا ہے، مفتی صاحب جیسے انتہائی اصولی اور عدیم الفرصت شخص کے پاس یہ چیزیں فراوانی کے ساتھ موجود تھیں، اورانہی بزرگوں کے طفیل دین اور علم کی امانت نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، امت کی مائیں بانجھ نہیں ہیں، ضرورت ایسے مربیوں اور معلموں کی ہے جو ذرہ کو آفتاب اور خاک کو کیمیا بنانے کا ہنر رکھتے ہوں، حضرت مفتی صاحب اس دورزوال میں ایسے ہی جوہر نایاب تھے جواب ڈھونڈھنے سے نہیں مل سکتا۔

ڈھونڈوگے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

جو یاد نہ آئے بھول کے پھر اے ہم نفس وہ خواب ہیں ہم

(شادؔ عظیم آبادی)

فقہی سیمیناروں اور اجتماعات میں شرکت

حضرت مفتی صاحب گو کہ قدیم میخانوں کے بادہ خوار تھے لیکن ان میں شدت اور خشکی نہیں تھی، وہ ہر اچھی چیز کا خیر مقدم کرتے تھے، مجھے خوب یاد ہے، غالباً ۱۹۸۸ء کی بات ہے، جب میں دارالعلوم دیوبند میں معین المدرس تھا، دستاویزی فقہی رسالہ بحث و نظر (پٹنہ) (زیر ادارت فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ) کے پوسٹر دارالعلوم کی دیواروں پر جگہ بہ جگہ چسپاں نظر آئے، میں نے خیال کیا کہ اردو کے عام فہم اور دلچسپ رسالوں کا تو خریدار نہیں ہے، تمام اردو رسائل خسارہ میں چل رہے ہیں، اس فقہی دستاویزی رسالہ کا خریدار کون ہو گا؟ لیکن جب یہ رسالہ منظر عام پر آیا تو خریداروں کے ہجوم میں وقت کے ممتاز علماء وفقہاء بھی نظر آئے، یہی رسالہ فقہ اکیڈمی اور آئندہ فقہی سیمیناروں کا سنگ بنیاد بنا، اور اس نے پورے ملک میں فقہی انقلاب کی لہر پیدا کر دی، دوسرے فقہی سیمینار (منعقدہ ۱۹۸۹ء بمقام جامعہ ہمدرد دہلی) میں حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) کے خادم کی حیثیت سے میں پہلی بار شریک ہوا، تو استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوریؒ بھی تشریف فرما تھے، معلوم ہوا کہ مفتی صاحبؒ بحث و نظر کے تین سال کے خریدار بنے۔۔۔

مفتی صاحب اس رسالہ اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے مداحوں میں تھے، قاضی صاحبؒ کے کئی سیمیناروں میں وہ شریک رہے، بعد میں بعض وجوہات اور مصالح کے تحت انہوں نے سیمینار میں شرکت ترک کر دی تھی۔

فقہی مسائل میں اتفاق واختلاف —ملامت کی پرواہ کئے بغیر اپنی رائے کا اظہار

حضرت مفتی صاحب کا فقہی ذوق کافی بلند تھا، اور نئے مسائل میں بھی ان کا ذہن

بہت تیزی کے ساتھ چلتا تھا، انہوں نے نکتہ رس ذہن پایا تھا، وہ اصول اور قواعد کی سخت رعایت کے ساتھ نئے مسائل میں اپنی رائے دیتے تھے، ان کے یہاں اسلاف کی احتیاط بھی تھی، اور عہد حاضر کی ضرورتوں کا ادراک بھی، ادارۃ المباحث الفقہیۃ (جمعیۃ علماء ہند) کے اجتماعات میں وہ پابندی سے شریک ہوتے تھے، بلکہ روح رواں رہتے تھے، ان اجتماعات میں ہمیشہ آپ کے خیالات سے استفادہ کا موقعہ ملتا تھا، اور مسئلہ کی مختلف شقوں تک رہنمائی ہوتی تھی، کئی مسائل میں مجھے ان کی رائے سے اتفاق نہیں تھا، اور کئی مسائل میں بہتوں کو ان سے اختلاف رہا، لیکن مفتی صاحب اپنی رائے میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، وہ پوری طاقت سے اپنی بات پیش کرتے تھے، میڈیکل انشورنس، منیٰ میں قصر واتمام، اور تعزیتی جلسے وغیرہ کئی مسائل میں ان کی ایک الگ رائے تھی، اور کئی علماء ان کے حامی بھی تھے، اور بہتوں کو اختلاف بھی تھا، لیکن ان کی رائے کسی دباؤ کی پابند نہیں تھی، وہ جو اخلاص کے ساتھ سمجھتے تھے وہی بولتے تھے، خطاؤ صواب میں کلام ہو سکتا ہے، ان کے اخلاص میں نہیں، مگر اس کے ساتھ وہ وسیع النظر تھے، اختلاف کرنے والوں کے ساتھ بھی ان کا رویہ مخلصانہ اور مشفقانہ ہوتا تھا، اس دور میں ایسی مثالیں کمیاب ہیں، آج لوگوں کو اپنی رائے پر اتنا اصرار ہوتا ہے کہ اس سے اختلاف کرنے والے کو اپنا مخالف تصور کرنے لگتے ہیں، وہ اختلاف اور مخالفت کے فرق سے واقف نہیں ہیں، حضرت مفتی صاحب اس نقطۂ امتیاز کو سمجھتے تھے۔

حضرت سے آخری ملاقات کا منظر

حضرت سے میری آخری ملاقات ادارۃ المباحث الفقہیۃ کے پندرہویں فقہی اجتماع (۱۹تا۲۱رجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷تا۲۹مارچ ۲۰۱۹ء، دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی) میں ہوئی تھی، حضرت پروگرام میں تشریف فرما تھے، اور اجلاس جاری تھا، میں آگے بڑھ کر ملاقات

کے لئے حاضر ہوا، تو بے ساختہ اپنی کرسی سے کھڑے ہوگئے، وہ بیمار اور کمزور تھے، میں نے ہرچند اصرار کیا کہ حضرت نہ اٹھیں تشریف رکھیں، لیکن وہ نہ مانے اور کھڑے ہو کر مجھ سے معانقہ فرمایا، میں شرم سے پانی پانی ہوگیا۔۔۔یہ تھی ہمارے بزرگوں کی تواضع اور اپنے معمولی سے معمولی شاگرد کی قدرافزائی، وہ قدرت کی طرف سے بہت اونچا دل، وسیع ظرف اور بلند اخلاق لے کر آئے تھے، وہ نفسانیت سے پاک اللہ سے ڈرنے والے بزرگ تھے۔

بلا تنخواہ تدریس اور سابقہ تنخواہوں کی واپسی۔

مدارس کی تاریخ میں ایک زریں مثال

آپ کے بلند تقویٰ، احتیاط اور خشیت وانابت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ جب اللہ پاک نے آپ پر مالی فتوحات کے دروازے کھول دیئے، اور تجارت وغیرہ کی سہولت پیدا ہوئی، تو آپ نے ۱۴۲۳ھ میں حج بیت اللہ سے واپسی کے بعد ہی دارالعلوم دیوبند سے تنخواہ لینے کا سلسلہ موقوف کردیا، اور ۱۴۲۳ھ سے آخر تک بغیر تنخواہ کے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، بلکہ شوال ۱۳۹۳ھ سے ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ تک دارالعلوم دیوبند سے جو تیس سال تین ماہ تک تنخواہ لی تھی، وہ تنخواہ بھی دارالعلوم دیوبند کو واپس کردی، اسی طرح ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ تک دارالعلوم اشرفیہ سے جو نو(۹) سال تنخواہ لی تھی، وہ تنخواہ بھی دارالعلوم اشرفیہ کو واپس کردی، ایسی مثالیں ماضی میں بھی خال خال ملتی ہیں، آج کا تو سوال ہی کیا ہے، اس کی تفصیل جناب عادل سعیدی پالن پوری صاحب نے اپنے ایک مضمون میں اس طرح بیان کی ہے:

دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر سورت گجرات کو واپس کی ہوئی تنخواہ کی تفصیل:

واپسی کی تاریخ: ۲۸ / اپریل ۲۰۰۳ء

☆ مارچ ۱۹۶۵ء سے جنوری ۱۹۶۸ء تک: مبلغ پانچ ہزار سات سو چالیس روپے فقط (۵۷۴۰)۔

☆ فروری ۱۹۶۸ء سے فروری ۱۹۷۰ء تک: مبلغ پانچ ہزار ایک سو پانچ روپے فقط (۵۱۰۵)۔

☆ مارچ ۱۹۷۰ء سے فروری ۱۹۷۲ء تک: مبلغ چھ ہزار چھ سو روپے فقط (۶۶۰۰)

☆ مارچ ۱۹۷۲ء سے اکتوبر ۱۹۷۳ء تک: مبلغ پانچ ہزار آٹھ سو پانچ روپے فقط (۵۸۰۵)۔

ٹوٹل: مارچ ۱۹۶۵ء سے اکتوبر ۱۹۷۳ء تک: مبلغ تیئیس ہزار دو سو پچاس روپے فقط (۲۳۲۵۰)۔

دارالعلوم دیوبند کو واپس کی ہوئی تنخواہ کی تفصیل

واپسی کی تاریخ: ۹ / صفر ۱۴۲۴ھ

☆ شوال ۱۳۹۳ھ سے ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ تک: مبلغ تینتیس ہزار دو سو ستر روپے فقط (۳۳۲۷۰)۔

واپسی کی تاریخ: ۱۷ / ربیع الاول ۱۴۲۴ھ

☆ از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ: مبلغ دس ہزار آٹھ سو اکیاسی روپے بارہ پیسے فقط (۱۰۸۸۱/۱۲)۔

☆ از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ: مبلغ دس ہزار پانچ سو تین روپے اٹھائیس پیسے فقط (۱۰۵۰۳/۲۸)۔

☆ از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ: مبلغ گیارہ ہزار چھ سو انہتر روپے چھہتر پیسے فقط (

۱۱۶۶۹/۷۶)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۰۴ھ: مبلغ گیارہ ہزار نو سوانچاس روپے ساٹھ پیسے فقط(
۶۰/۱۱۹۴۹)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۰۵ھ: مبلغ چودہ ہزار ایک سو اکتیس روپے چوالیس پیسے فقط
(۴۴/۱۴۱۳۱)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۰۶ھ: مبلغ بارہ ہزار دو سو سولہ روپے تینتیس پیسے فقط(
۳۳/۱۲۲۱۶)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۰۷ھ: مبلغ پندرہ ہزار ایک سو ستانوے روپے باون پیسے فقط
(۵۲/۱۵۱۹۷)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۰۸ھ: مبلغ سترہ ہزار باسٹھ روپے پچاس پیسے فقط(۱۷۰۶۲
/۵۰)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۰۹ھ: مبلغ بائیس ہزار دو سو ساٹھ روپے اڑتالیس پیسے فقط(
۲۲۲۶۰ /۴۸)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۰ھ: مبلغ چوبیس ہزار پانچ سو ستر روپے چوبیس پیسے فقط(
۲۴/۲۴۵۷۰)۔

واپسی کی تاریخ: ۱۹ / جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۱ھ: مبلغ چھبیس ہزار نو سو چھپن روپے اسی پیسے فقط(
۸۰/۲۶۹۵۶)۔

☆از محرم تاذی الحجہ ۱۴۱۲ھ: مبلغ انتیس ہزار چار سو بیس روپے سولہ پیسے فقط(
۱۶/۲۹۴۲۰)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ: مبلغ تیس ہزار گیارہ روپے باون پیسے فقط (۳۰۰۱۱/ ۵۲)

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ: مبلغ چوالیس ہزار آٹھ سو اڑتیس روپے فقط (۴۴۸۳۸)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ: مبلغ پینتالیس ہزار سات سو آٹھ روپے فقط (۴۵۷۰۸)۔

واپسی کی تاریخ: ۱۶ / رجب ۱۴۲۴ھ

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ: مبلغ چھیالیس ہزار پانچ سو اٹھتر روپے فقط (۴۶۵۷۸)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ: اڑتالیس ہزار چار سو چوالیس روپے فقط(۴۸۴۴۴)

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ: مبلغ پچپن ہزار آٹھ سو چھیانوے روپے فقط (۵۵۸۹۶)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ: مبلغ اکیاسی ہزار دو سو بیاسی روپے فقط(۸۱۲۸۲)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ: مبلغ اکیاسی ہزار دو سو بیاسی روپے فقط(۸۱۲۸۲)

واپسی کی تاریخ: ۲۲ / ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ: مبلغ اٹھاسی ہزار تین سو چھپن روپے فقط(۸۸۳۵۶)

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ: مبلغ اکیانوے ہزار آٹھ سو چھیانوے روپے فقط (۹۱۸۹۶)۔

☆از محرم تا ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ: مبلغ پچانوے ہزار چار سو چوبیس روپے فقط (۹۵۴۲۴)۔

ٹوٹل: شوال ۱۳۹۳ھ سے ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ تک: مبلغ نو لاکھ انچاس ہزار آٹھ سو چار روپے پچھتر پیسے فقط (۷۵/ ۹۴۹۸۰۴)۔

دارالعلوم اشرفیہ اور دارالعلوم دیوبند کو واپس کی ہوئی تنخواہ کا ٹوٹل: مبلغ نو لاکھ تہتر ہزار چون روپے پچھتر پیسے فقط (۷۵/ ۹۷۳۰۵۴)

دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم اشرفیہ سے لی ہوئی تنخواہ اسی سال واپس کی، جس سال دارالعلوم دیوبند سے تنخواہ لینی بند کی، اور محرم ۱۴۲۴ھ سے تاوفات دارالعلوم دیوبند میں بغیر تنخواہ کے پڑھا رہے تھے"

(عادل سعیدی صاحب کی تحریر مکمل ہوئی، جو حضرت کے وصال کے بعد حال ہی میں کسی واٹس ایپ سے مجھے حاصل ہوئی)

ولادت سے وفات تک - بہ یک نظر

حضرت مفتی صاحب کی ولادت ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں موضع کالیڑہ ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) میں ہوئی، کالیڑہ پالنپور سے تقریباً تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے، گاؤں میں مکتب کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے ماموں مولانا عبد الرحمن صاحب کے ساتھ دارالعلوم چھاپی میں داخل ہوئے، وہاں اپنے ماموں اور دیگر اساتذہ سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، چھ (۶) ماہ کے بعد حضرت مولانا نذیر میاں پالنپوریؒ کے مدرسہ پالنپور چلے گئے، اور وہاں چار سال تک مولانا مفتی محمد اکبر میاں پالن پوریؒ اور مولانا ہاشم بخاریؒ سے عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں (شرح جامی تک) پڑھیں، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخل ہوئے، یہاں آپ نے تین سال تعلیم حاصل کی ، ۱۳۸۰ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء میں دورۂ حدیث

شریف سے فارغ ہوئے اوراول پوزیشن حاصل کی، یہ دارالعلوم دیوبند کا سوواں (۱۰۰) سال تھا، فراغت کے بعد دوسال تک افتاء کا کورس کیااور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ سے فتویٰ نویسی کی مشق کی۔

فراغت کے بعد ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ سے دارالعلوم اشرفیہ عربیہ راندیر، سورت، گجرات میں تدریسی خدمات کا سلسلہ شروع کیا، اور شعبان ۱۳۹۳ھ تک مسلسل نو (۹) سال دارالعلوم اشرفیہ میں پڑھایا، شوال ۱۳۹۳ھ / نومبر ۱۹۷۳ء میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں مدرس کی حیثیت سے ہوا، اوراس وقت سے تاوفات تقریباً سینتالیس (۴۷) دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، جن میں آخری دس سال آپ دارالعلوم دیوبند کے سب سے باوقار منصب شیخ الحدیث و صدرالمدرسین کے منصب پر فائز رہے۔ وفات ۲۵ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹ / مئی ۲۰۲۰ء بروز منگل بوقت چاشت قریب سات بجے ممبئی کے ایک اسپتال میں ہوئی، اوراسی دن شام میں جوگیشوری کے قبرستان میں مدفون ہوئے، اناللہ واناالیہ راجعون۔

آپ کی وفات صرف دارالعلوم دیوبند کا نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا سانحہ ہے، آپ کے جانے سے ایساخلاپیدا ہوا ہے، جس کا پر ہونا آسان نہیں ہے، اللہ پاک آپ کی مغفرت فرمائے اوردرجات بلند فرمائے اور ہمیں آپ کے نقش جمیل پر چلنے کی سعادت عطافرمائے آمین

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اختر امام عادل قاسمی
جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور بہار
۲۹ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۳ / مئی ۲۰۲۰ء